© rasailojaraid.com

احکامِ شرعیہ میں حالات و زمانہ کی رعایت

مولانا محمد تقی صاحب امینی - ناظمِ دینیات - مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

گذشتہ سے پیوستہ

قتلِ منافقین کی ممانعت (۱۳) رسول اللہ ؐ نے سیاستِ شرعیہ کے تحت منافقین کے قتل کرنے سے منع کردیا تھا، تاکہ لوگوں کی نفرت اور یہ کہنے کا سبب نہ بنے کہ "محمدؐ اپنے ساتھیوں کو قتل کردیتے ہیں" حالانکہ وہ طرح طرح کے فتنہ وفساد پھیلاتے رہتے تھے لیکن:

ومصلحة التالیف اعظم من مصلحة القتل۔[1] تالیفِ قلب کی مصلحت قتل کی مصلحت سے زیادہ بڑی ہے

پھر جب یہ اندیشہ نہ رہا اور اسلام کے غلبہ سے تالیفِ قلب کی مصلحت پہلی جیسی نہ رہ گئی تو یہ حکم بھی منسوخ ہو گیا چنانچہ:

انما النفاق ای حکمه بعدم التعرض لاهله والستر علیهم کان علی عهد رسول الله لمصالح کانت مقتصرة علی ذلك الزمان اما الیوم فلم تبق تلك المصالح[2]

نفاق سے عدم تعرض کا حکم رسول اللہؐ کے زمانہ میں چند مصلحتوں کی وجہ سے تھا اور وہ اسی زمانہ تک محدود تھا لیکن آج (عہد حذیفہؓ) نہ وہ مصلحتیں باقی رہیں اور نہ وہ حکم باقی رہا۔

نہی عن المنکر میں بے اصولی کی ممانعت (۱۴) نہی عن المنکر کس قدر تاکیدی حکم ہے؟ کہ جس کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

من رأی منکم منکراً فلیغیره بیده فان لم یستطع فبلسانه [illegible]

جو شخص تم میں سے منکر کو دیکھے تو اس کو اپنے ہاتھ سے [illegible] اگر اس کی طاقت نہ رکھے تو زبان سے روکے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

فان لم یستطع فبقلبه وذٰلك اضعف الایمان ۔[1]
اور اگر اس کی بھی طاقت نہ رکھے تو دل میں برا سمجھے اور یہ نہایت ہی کمزور ایمان کی بات ہے۔

لیکن جب کسی برائی پر روک ٹوک کرنے سے اُس سے زیادہ بڑی برائی میں مبتلا ہونے کا خطرہ ہو تو روک ٹوک کرنا جائز نہیں ہے۔

حکومت اور حاکموں کا برائی میں مبتلا ہو جانا فتنہ و فساد کی جڑ ہے، لیکن جب صحابۂ کرامؓ نے رسول اللہؐ سے اُن امیروں کی اطاعت سے باز رہنے کی اجازت چاہی جو دینی لحاظ سے ناپسندیدہ تھے تو آپؐ نے فرمایا:-

لا ما اقاموا فیکم الصلوٰۃ [2]
نہیں۔ جب تک وہ تم میں نماز قائم کرتے رہیں۔

اسی طرح آپؐ نے فرمایا:-

من رای من امیرہ ما یکرھہ فلیصبر [3]
جو شخص اپنے امیر کی جانب سے ناگوار باتیں دیکھے تو اس کو صبر کرنا چاہیے۔

برائی پر روک ٹوک کرنے سے چار قسم کے اثرات مرتب ہو سکتے ہیں:-

(۱) برائی کی جگہ بھلائی آجائے۔ (۲) برائی کم ہو جائے اگرچہ ختم نہ ہو۔
(۳) ایک برائی کی جگہ دوسری برائی آجائے۔ (۴) برائی کی جگہ اس سے زیادہ بڑی برائی آجائے۔

پہلی دو صورتوں میں نہی عن المنکر کی اجازت ہے دوسری صورت میں اجتہاد کی گنجائش ہے اور تیسری میں حرام ہے۔

"نہی عن المنکر" میں بے اصولی برتنے کے نتائج کو ابن قیمؒ نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے:-

ومن تأمل ما جرى على الاسلام في الفتن الكبار والصغار رآها من اضاعة هذا الاصل وعدم الصبر على منكر فطلب ازالته فتولد منه ما هو اكبر منه ۔[4]

اسلام میں جتنے چھوٹے بڑے فتنے ظاہر ہوئے ہیں ان میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ نہی عن المنکر کے اسی اصل پر عمل نہ کرنے اور منکر پر صبر نہ کرنے کی وجہ سے ظاہر ہوئے ہیں، لوگوں نے ان کو زائل کرنا چاہا اور نتیجہ یہ ہوا کہ اس سے بڑی برائیاں رونما ہو گئیں۔

---

[1] مشکوٰۃ باب الامر بالمعروف۔ [2] مشکوٰۃ کتاب الامارۃ والقضاء۔ [3] بخاری ومسلم از مشکوٰۃ حوالہ بالا۔
[4] اعلام الموقعین ج ۳ فصل فی تغیر الفتویٰ ص ۲۸ ۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ابن قیمؒ نے اپنے استاد علامہ ابن تیمیہؒ کا ایک واقعہ نقل کیا ہے کہ وہ فتنۂ تاتار کے زمانہ میں اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ کچھ ایسے لوگوں پر گذرے جو شراب پی رہے تھے، ساتھیوں نے ان کو شراب سے روکنا چاہا لیکن ابن تیمیہؒ نے اُن کو روکنے سے باز رکھا اور کہا:

انما حرم اللہ الخمر لانہا تصد عن ذکر اللہ وعن الصلاۃ وھؤلاء یصدھم الخمر عن قتل النفوس وسبی الذریۃ واخذ الاموال فدعھم[1]

اللہ نے اس لئے شراب سے منع کیا ہے کہ وہ اللہ کے ذکر اور نماز سے روکتی ہے لیکن ان لوگوں کو شراب لوگوں کے قتل کرنے، اولاد کو قید کرنے اور ناحق مال لینے سے روکتی ہے ان کو اسی حالت پر چھوڑ دو۔

زمانۂ جنگ میں حدود قائم کرنے کی ممانعت

(ص) روایتوں میں حدود قائم کرنے کی کتنی فضیلت اور تاکید ہے کہ حضرت علیؓ سے منقول ہے:

فان اقامۃ الحد من العبادات کالجہاد فی سبیل اللہ۔[2]

حدود کا قائم کرنا ایسا ہے جیسا اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد۔

لیکن خود رسول اللہؐ نے زمانۂ جنگ اور دشمن کی سرزمین میں حدود قائم کرنے کو منع کیا ہے:

یقول لا تقطع الایدی فی الغزو۔[3]

رسول اللہؐ فرماتے تھے کہ غزوہ میں ہاتھ نہ کاٹے جائیں۔

ایک اور روایت میں ہے:-

لا تقطع الایدی فی السفر[4]

سفر میں ہاتھ نہ کاٹے جائیں۔

آراضی کے مختلف انتظامات

(۵) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیاستِ شرعیہ کے تحت مفتوحہ آراضی کے مختلف انتظامات کئے تھے۔

پہلے تمام مفتوحہ اشیاء کو اللہ کی ملک قرار دیا (جبکہ آپ سے پہلے بادشاہ کے مقررہ حصّہ کے علاوہ کل مال لڑنیوالوں کا ہوتا تھا۔[5]) پھر عام مفاد کے پیشِ نظر غازیوں میں تقسیم کردیا یا اصل باشندوں کے پاس رہنے دیا، یہی دو صورتیں اس زمانہ میں قابلِ عمل تھیں۔

---

[1] اعلام الموقعین ج ۳ فصل فی تغیر الفتوٰی ص ۲۹ [2] السیاستہ الشرعیہ ص ۹۸۔ [3] مشکوٰۃ باب قطع السرقہ۔
[4] ابوداؤد ونسائی از مشکوٰۃ باب قطع السرقہ۔ [5] [illegible]

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہر شئی کا حقیقی مالک اللہ کو قرار دینا اور انسان کی ملکیت کو " امانت " کی حیثیت دینا خود سیاستِ شرعیہ کے تحت اموال کی تنظیم و تقسیم کے لئے ایک وسیع باب کھولتا ہے اور حالات و زمانہ کی رعایت و ضرورت سے حکومت کو کسی ایک طریقہ میں محدود نہیں رکھتا ہے۔

اسلامی نقطۂ نظر سے موجودہ دور کی انفرادی و اجتماعی بحثوں کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔ یہ محض ضمنی و عارضی ہیں، اگر افراد میں تقسیم کرنے سے خلق اللہ کا عام مفاد ہے تو ذرائع پیداوار فرداً فرداً تقسیم کر دیئے جائیں جیسا کہ پہلے ہوتا رہا ہے، اور اگر اجتماعی طور سے کاشت کرانے میں عام نفع ہو تو اس کے لئے بھی کوئی روک نہیں ہے جیسا کہ آج کی مسلّم ضرورتیں اس کے لئے مجبور کر رہی ہیں۔

مفادِ عامہ کے پیشِ نظر انتظام کی تفصیل

چنانچہ عام مفاد کے پیشِ نظر رسول اللہؐ کے انتظام کی تفصیل یہ ہے:-

(ا) خیبر فتح ہونے کے بعد پوری زمین اللہ کی ملک قرار دی گئی اور رسول اللہؐ نے اس طرح تقسیم کیا:

(۱) زمین کا کچھ حصہ فوجیوں کو دے دیا۔

(۲) بقیہ حصہ اصل باشندوں کے پاس رہنے دیا اور پیداوار میں حکومت و اصل باشندے دونوں کو شریک کیا۔ بحیثیتِ مجموعی پوری زمین خلافت کے انتظام و نگرانی میں رہی، سرکاری قانون اور ٹیکس سے نہ فوجی مستثنیٰ قرار پائے اور نہ اصل باشندے۔[1]

(ب) وادی القریٰ کی کل زمین آپؐ نے اصل باشندوں کے پاس رہنے دی، پہلے ان سے اس شرط پر مصالحت ہو گئی تھی کہ زمین کی تہائی پیداوار خلافت کی ہوگی اور دو تہائی کاشتکار کی ہوگی، لیکن جب یہ لوگ صلح پر قائم نہ رہے تو اُن سے جنگ ہوئی اور فتح ہونے کے بعد خلافت کے زیرِ انتظام و نگرانی مفتوحہ زمین انہیں کے پاس رہنے دی گئی۔[2]

(ج) بنو نضیر اموال و جائداد چھوڑ کر چلے گئے تھے اس طرح بلا جنگ و جدل اُن کی زمین پر قبضہ ہو گیا تھا۔

---

[1] نصب الرایہ ج۳ کتاب السیر و ابو داؤد باب حکم ارض خیبر و کتاب الاموال ص۶۹ و کتاب الخراج یحییٰ بن آدم قریشی

[2] کتاب الاموال و حاشیہ ص۳۰۵ و فتوح البلدان ج۱ و ۲۷ و ۳۶ و ۳۸ و ۳۹ و ۴۱ و ۴۳ ـ نووی شرح مسلم ج۲ ص۹۳

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

رسول اللہ صلعم نے قبضہ ہونے کے بعد انصار و مہاجرین سب کو جمع کر کے انصار کو اس طرح مخاطب کیا:۔

"دیکھو تمہارے مہاجرین بھائیوں کے پاس مال و دولت کچھ نہیں ہے، وہ سب لٹ لٹا کر یہاں (مدینہ) پہونچے ہیں اگر تم چاہو تو یہ بنو نضیر کا مال اور جو کچھ تمہارے پاس تمہارا ذاتی مال ہے ان سب کو اکٹھا کر کے تم سب میں تقسیم کر دیا جائے اور یا یہ کہو کہ اپنا مال اپنے پاس ہی رکھو لیکن یہ مال مہاجرین میں تقسیم کر دیا جائے۔"

انصار نے جواب میں عرض کیا:۔

"یا رسول اللہ صلعم یہ مال تو آپ پورا اُنہیں میں تقسیم کر دیجئے" اور ہمارے پاس کے اموال میں سے جو آپ چاہیں ان لوگوں کو دیدیجئے" آپ کو اس میں بالکلیہ اختیار ہے"۔[1]

پھر رسول اللہ صلعم نے ان کی زمینیں خلافت کے زیرِ انتظام مسلمانوں میں تقسیم کر دی تھیں۔[2]

(د) بنو قریظہ نے اپنے ہی قبیلہ کے ایک شخص حضرت سعد رضؓ کو حکم تسلیم کیا تھا، ان کے فیصلہ کے مطابق رسول اللہ صلعم نے فتح ہونے کے بعد اُن کی زمینیں بھی خلافت کے زیرِ انتظام مسلمانوں میں تقسیم کر دی تھیں۔[3]

(س) مکہ فتح ہونے کے بعد حسب قانونِ خلافت تمام زمین اللہ کی مِلک قرار دی گئی اور خلافت کے زیرِ انتظام اصل باشندوں کے پاس رہنے دی گئی۔[4] حتیٰ کہ مسلمان مہاجرین جو مکہ سے اُجڑ کر مدینہ گئے تھے اور اُن کی زمین وجائداد پر اہلِ مکہ نے قبضہ کر لیا تھا۔ فتح حاصل کرنے کے بعد جب ان لوگوں نے رسول اللہ صلعم سے زمین وجائداد واپس دلانے کی درخواست کی تو آپ صلعم نے اس کو بھی نامنظور فرما دیا اور وہ بھی قبضہ کرنے والوں کے پاس رہنے دی گئی۔[5]

غرض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مفادِ عام کے پیشِ نظر جس علاقہ میں جو صورت مناسب سمجھی وہ اختیار فرمائی، کسی ایک صورت میں آپ کا انتظام محدود نہیں تھا۔

"آراضی" پر تفصیلی بحث کے لئے راقم کی کتاب "اسلام کا زرعی نظام" مطالعہ کرنا چاہیئے۔

رسول اللہ صلعم کے مخصوصات سے استدلال

(٦) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بہت سے مخصوصات جن کو یہ کہہ کر نظر انداز

---

[1] الخراج لیحییٰ ص ۳۴ - [2] کتاب الاموال ص ۸ و فتوح البلدان ج ۱ و ابن سعد ج ۲ و ابن ہشام ص ۶۵۲

[3] فتوح البلدان ج ۱ و بخاری ج ۲ و مسلم ج ۲ والاموال ص ۱۲۹ [4] [illegible] لابی یوسف ص ۵۸۔ [5] زاد المعاد ج ۱ ص ۳۲

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کر دیا جاتا ہے کہ وہ کسی قاعدہ وقانون کے تحت نہیں آتے ہیں اگر غور سے دیکھا جائے تو ان میں سیاست شرعیہ کے تحت حکم کی تبدیلی کا ثبوت ملتا ہے۔ مثلاً:-

(ا) ایک شخص نے رسول اللہ صلعم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ میں نے ایسے جرم کا ارتکاب کیا ہے جس سے میرے اوپر حد لازم آتی ہے آپ حد جاری کر دیجئے اس پر آپ نے فرمایا:-

الیس قد صلیت معنا قال نعم قال	کیا تم نے ہمارے ساتھ نماز نہیں پڑھی ہے اس نے عرض کیا
فان اللہ قد غفر لک ذنبک او حدک[1]	ہاں پڑھی ہے، آپ نے فرمایا۔ اللہ نے تمہارا قصور معاف کر دیا۔

معافی کا اثر اس شخص پر یہ ہوا کہ اس نے شراب نوشی سے ہمیشہ کے لئے توبہ کر لی۔

بعض روایتوں میں ہے کہ اس نے کہا آپ کے کوڑوں کے خوف سے شراب ترک کرنے میں اپنی توہین سمجھتا تھا لیکن جب آپ نے مجھے معاف کر دیا تو واللہ اس ملعون کو کبھی ہاتھ نہ لگاؤں گا۔[2]

(ب) زنا کے ایک واقعہ میں مجرم کی جگہ غیر مجرم پکڑ لیا گیا اور رسول اللہ صلعم نے اس کو سزا کا حکم بھی سنا دیا، لیکن بعد میں مجرم نے خود ہی اپنے جرم کا اقرار کر لیا اور ماخوذ شخص کو اس سے بری قرار دیا، یہ صورت دیکھ کر رسول اللہ صلعم نے دونوں کی سزا معاف کر دی، ماخوذ شخص کی اس بناء پر کہ وہ اصل مجرم نہ تھا اور مجرم کی اس بناء پر کہ محض دوسرے کی جان اور حق کے تحفظ کی خاطر اپنے جرم کا اقرار کر لیا۔

حضرت عمرؓ نے اس خیال سے کہ اعتراف جرم کے بعد سزا نہ دینا مجرم کی حوصلہ افزائی ہے، رسول اللہ صلعم سے سزا دینے کی درخواست کی تو آپ نے فرمایا کہ اس نے اللہ کی طرف رجوع کر لیا ہے۔

الفاظ یہ ہیں:-

فقال عمر ارجم الذی اعترف بالزنا	حضرت عمرؓ نے کہا کہ آپ اس شخص کو رجم کیجئے جس نے
فابی رسول اللہ فقال لانہ قد تاب	زنا کا اقرار کیا ہے تو آپ نے انکار کیا اور فرمایا اس لئے
الی اللہ۔[3]	کہ اللہ کی طرف اس نے رجوع کر لیا ہے۔

---

[1] مشکوٰۃ کتاب الصلوٰۃ۔ [2] اعلام الموقعین فصل فی تغیر الفتوی۔ [3] نسائی و اعلام الموقعین، حوالہ بالا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سوالات کے مختلف جواب اور دعوت وتبلیغ کی خاص روش سے استدلال

(۷) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اشخاص وحالات کے لحاظ سے سوالات کے مختلف جواب دیئے ہیں مثلاً کسی کے لئے نماز سب سے افضل قرار دی اور کسی کے لئے جہاد کو افضل بتایا اور کسی سے والدین کی خدمت کو افضل فرمایا وغیرہ۔

(۸) دعوت وتبلیغ میں رسول اللہ نے خاص روش اختیار کی ہے مثلاً:۔

(ا) ابتداء میں انہیں باتوں کی دعوت دی جو بنیادی تھیں۔

(ب) قدر مشترک پر جمع کرنے کی کوشش کی۔

(ج) کسی ایسی چیز سے تعرض نہیں کیا جو زیادہ اہم نہ تھی لیکن قومی رغبت کی وجہ سے عمومی نفرت کا اندیشہ تھا۔

(د) ان باتوں سے چشم پوشی کی جن سے انتشار وافتراق کا اندیشہ تھا۔

(ر) بہت سی مباح اور جائز باتوں سے روک دیا جن کی وجہ سے برائی تک پہونچنے کا اندیشہ تھا۔

(س) غلامی وغیرہ کی منسوخی میں نرمی اور سہولت سے کام لیا جن سے سماجی زندگی مختل ہونے کا اندیشہ تھا۔

اس طرح رسول اللہؐ کی زندگی میں سیاستِ شرعیہ کی بکثرت مثالیں ملتی ہیں۔

سیاستِ شرعیہ کے تحت صحابہؓ کے فیصلوں کی نوعیت

صحابہ کرامؓ نے سیاستِ شرعیہ کے تحت بہت سے احکام کے موقع ومحل متعین کئے تھے اور انتظامی احکام کا اضافہ کیا تھا، یہ سب حالات وزمانہ کی رعایت سے ناگزیر تھے اور ان کی گنجائش قرآن وسنت میں موجود تھی۔

اس اضافہ وتعیین سے یہ سمجھنا کہ "صحابہؓ نے قانون سازی کا سب سے بڑا سرچشمہ اپنے اجتہاد کو قرار دیا تھا، اور قرآن وسنت وغیرہ کو اس کے بعد کا درجہ دیا تھا" ناواقفیت پر مبنی اور اجماعِ امت کے خلاف ہے۔

بدقسمتی سے شرعی امور میں تحقیق کا وہی معیار قائم ہوگیا ہے جو یورپ میں مشرقی علوم کا رائج ہے جس میں کیفیت سے زیادہ کمیت پر زور دیا جاتا ہے اور دماغ سے زیادہ ہاتھ پاؤں کی طاقت درکار ہوتی ہے۔

ادب وتاریخ میں یہ معیار شاید زیادہ محلِ نظر نہ قرار دیا جائے لیکن شخصی و شرعی امور میں یہ معیار یقیناً محلِ نظر اور حقیقت سے دور کر دینے والا ہے، پوری زندگی سے صرفِ نظر کر کے چند واقعات کو کلی شکل میں پیش کرنا یا انسان کی جزوی ضرورت کو کلی فلسفہ کی شکل دیدینا [illegible] ایسی فکری گمراہی ہے کہ جس میں بہت سے اونچے درجہ کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

"اسکالر" اور نظریات کے بانی تک مبتلا ہیں۔

شخصی اور شرعی امور میں موجودہ تحقیق کا معیار ناقص ہے

شخصی امور میں خوابوں، لغزشوں، ظرافتوں اور خاص طور پر عصبی اختلال کو بنیاد بناکر "نظریۂ جنسیت" ایجاد کیا گیا اور لاشعور کو جنسی خواہش کی اُبلتی ہوئی دیگ تسلیم کرکے اس کی تمام تر نوعیت میں جنسی خواہشات کا جذبہ مانا گیا جس کی بناء پر زندگی کی اعلیٰ سرگرمیاں (علم و ہنر فلسفہ و اخلاق وغیرہ) تک سب انسان کی ناقابلِ تسکین اور مجبوراً رُکی ہوئی جنسی خواہشات کے بہلانے کا ذریعہ قرار پائیں۔

اسی طرح انسان کی معاشی ضرورت کو کلی فلسفہ کی شکل دی گئی اور پیداوار و طریقِ پیداوار کو زندگی کا نصب العین قرار دے کر خدا، روح، مذہب و اخلاق وغیرہ انسانی اقدار کو معاشی حالات کے تابع انسان کے وضع کردہ قرار دیا گیا، اور ان سب کی تہ میں صرف اقتصادی ضروریات کا رازِ مخفی مانا گیا۔

جب شخصی امور میں تحقیق کا یہ انداز چل رہا ہے تو اگر شرعی امور میں چند ضعیف و موضوع روایتوں کو دیکھ کر یا صحیح حدیثوں کا موقع و محل متعین نہ کرسکنے کی وجہ سے پورے ذخیرۂ احادیث کا انکار کردیا جائے تو اس میں تعجب کی کون سی بات ہے؟

موجودہ دور میں بہت سے "اسکالر" جن نظریات سے متاثر ہیں ان کے پیشِ نظر یہ بات نہایت معمولی درجہ کی ہے کہ چند واقعات کو غلط رنگ دے کر خلفاءِ راشدین کو قرآن و سنت کا نظر انداز کرنے والا ثابت کریں۔ ان سے تو اس بات کے ثابت کرنے کی توقع رکھنی چاہئے کہ خلفاء کے پاس زندگی کے ایسے نظریات و تصورات تھے ہی نہیں جو ان کی مادّی زندگی کو متعین کرتے تھے بلکہ خود مادّی زندگی ان کے تصورات و نظریات کو متعین کرنے والی تھی جس کی بناء پر ان لوگوں نے مادی ضرورت کے پیشِ نظر نہ مدنی ضابطوں کی کوئی پرواہ کی اور نہ قرآن و سنت کو کوئی اہمیت دی۔

قیاس اور رائے کے بارے میں صحابہؓ کے چند اقوال

غرض قطع و برید کے اس عمل اور ریسرچ و تحقیق کے اس انداز سے عقل و ہوس کی خوشگانیوں اور سرمستیوں کے لئے سامان تو فراہم ہوسکتا ہے لیکن زندگی اور شریعت کا کوئی مسئلہ نہیں حل ہوتا ہے۔

ذیل میں چند اقوال پیش کئے جاتے ہیں جن سے اندازہ ہوسکے گا کہ صحابۂ کرام اور بالخصوص خلفاء راشدین نے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کس حد تک قرآن و سنت کو اپنی زندگی میں سمویا تھا اور کس قدر نظر انداز کیا تھا ؟

حضرت ابو بکر صدیق رضؓ نے ایک موقع پر فرمایا :

ای سماء تظلنی وای ارض تقلنی اذا	کون آسمان مجھ پر سایہ کرے گا اور کون زمین مجھے اٹھائے گی
قلت فی کتاب اللہ برأی [1]	جب میں اللہ کی کتاب میں اپنی رائے سے کچھ کہوں گا۔

حضرت عمر رضؓ کا ارشاد ہے :۔

ایاکم واصحاب الرای فانھم اعداء	لوگو! اصحاب رائے سے اپنے کو بچاؤ، وہ سنت
السنن اعیتھم الاحادیث ان	کے دشمن ہیں، حدیث محفوظ رکھنے سے عاجز ہیں
یحفظوھا فقالوا بالرای [2]	اس لئے اپنی رائے سے کہتے ہیں۔

حضرت علی رضؓ کا قول ہے :۔

لوکان الدین یوخذ قیاسا لکان باطن	اگر دین قیاس سے حاصل کیا جاتا تو موزے کے نیچے حصہ پر
الخف اولی بالمسح من ظاھرہ [3]	مسح کرنا اوپر کے حصہ پر مسح کرنے سے زیادہ بہتر ہوتا

حضرت عبداللہ بن عباس رضؓ نے فرمایا :۔

یذھب قراءکم وصلحاءکم ویتخذ الناس	تمہارے اہل علم اور صلحاء رخصت ہو جائیں گے اور لوگ جاہلوں
رووسا جھالا یقیسون الامور برأیھم [4]	کو سردار بنالیں گے وہ معاملات میں اپنی رائے سے قیاس کریں گے۔

اس قسم کے اقوال و تاثرات کی موجودگی میں قرآن و سنت کو نظر انداز کرنے یا قانون سازی کا اولین سرچشمہ اپنے اجتہاد کو قرار دینے کی بات نہایت لغو اور بے معنی قرار پاتی ہے۔

صحابہؓ نے ضابطہ کے تحت قیاس اور رائے کو استعمال کیا

صحابۂ کرام نے جن صورتوں میں حالات و زمانہ کی رعایت سے قیاس اور رائے کے استعمال کو ضروری جانا، قرآن و سنت کی روشنی میں اس کے لئے ضابطہ مقرر فرمایا ہے، چنانچہ حضرت عمر رضؓ نے ابو موسیٰ اشعری کو بصرہ کی امارت سپرد کرتے وقت جو فرمان دیا تھا اس میں قیاس کا یہ اصول درج تھا۔

---

[1] منہاج الاصول للبیضاوی باب القیاس فی بیان انہ حجۃ۔ [2] ایضاً۔ [3] ایضاً۔ [4] ایضاً۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اعرف الاشباہ والنظائر وقس الامور برأیك۔[1] اشباہ اور نظائر کی معرفت حاصل کرو اور ان پر پیش آمدہ امور کو قیاس کرو۔

اس اصول کو قرآنی ہدایات اور مقاصدِ دین سے حاصل کیا گیا تھا جس کے بعد قرآن وسنت کی مخالفت یا نظرانداز کرنے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا ہے۔ مثلاً قرآنِ حکیم میں ہے۔

فَاعْتَبِرُوْا یٰٓاُولِی الْاَبْصَارِ[2] پس اعتبار کرو اے آنکھوں والے۔

احکام ومسائل میں فقہاء نے اعتبار کا یہ مطلب بیان کیا ہے:۔

رد الشیٔ الی نظیرہ ای الحکم علی الشیٔ بما ھو ثابت لنظیرہ۔[3] شی کو اس کی نظیر کی طرف پھیرنا یعنی جو حکم اس کی نظیر کا ہے وہی حکم اس شی کا قرار دینا۔

قرآن حکیم میں صاحبِ صلاحیت افراد کو "تفقہ فی الدین" کی طرف خصوصی توجہ دلائی گئی ہے۔

لیتفقھوا فی الدین[4] تاکہ دین میں فہم وبصیرت حاصل کریں۔

نیز کتاب کے ساتھ حکمت کی تعلیم کو رسول اللہؐ کی بعثت کا مقصد ٹھہرایا گیا ہے:۔

وَیُعَلِّمُھُمُ الْکِتٰبَ وَالْحِکْمَۃَ[5] وہ رسولؐ کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے۔

ان کے علاوہ بہت سے احکام اور اصول کی علتیں غایتیں اور حکمتیں بیان کردی گئی ہیں جن سے استنباط واستخراج کی راہیں کھلتی ہیں اور صریح کے ساتھ پیش آمدہ غیر صریح کو شامل کرنے میں سہولت ہوتی ہے۔

| خود رسول اللہؐ نے حوصلہ افزائی فرمائی ہے | رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا طرزِ عمل یہ تھا کہ "وحی" کے ذریعہ جن معاملات کی وضاحت نہ ہوتی ان میں اپنی رائے اور اجتہاد سے حکم صادر فرماتے تھے چنانچہ ایک موقع پر آپؐ نے فرمایا۔ |

اذا امرتکم بشیٔ من رأیی فانما انا بشر[6] جب میں اپنی رائے سے کوئی حکم دوں تو میں بشر ہوں۔

اسی طرح حالات وزمانہ کی رعایت سے جس قدر نظم وانتظام میں تبدیلی ناگزیر ہوتی ہے اور اس کی وجہ احکام کے موقع ومحل کی تعیین ضروری ہوتی ہے، ان سب کے متعلق رسول اللہؐ نے فرمایا۔

ان کان شیئا من امر دنیاکم فشانکم بہ[7] اگر تمہارے دنیوی امور سے کچھ متعلق ہے تو اس کا حال تم جانتے ہو۔

---

[1] منہاج الاصول للبیضاوی باب القیاس فی بیان انہ حجۃ۔ و تاریخ التشریع الاسلامی دوسرا دور فقہ عہد کبار صحابہ میں۔ [2] سورۂ حشر رکوع ۱۔ [3] توضیح تلویح فی القیاس۔ [4] سورۂ توبہ رکوع ۱۵۔ [5] سورۂ آل عمران رکوع ۱۷۔ [6] مشکوٰۃ باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ۔ [7] ابن ماجہ کتاب الزراعۃ باب تلقیح النخل۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور معاذ بن جبلؓ کو یمن بھیجتے وقت اس طرح فہمائش کی :-

کیف تقضی اذا عرض لك قضاء قال اقضی بکتاب اللہ تعالیٰ قال فان لم تجد فی کتاب اللہ تعالیٰ قال فبسنة رسول اللہ قال فان لم تجد فی سنة رسول اللہ قال اجتهد برأیی ولا آلو قال علیه السلام الحمد للہ الذی وفق رسول رسول اللہ لما یرضی به رسول اللہ۔[1]

رسول اللہؐ نے پوچھا کہ مقدمات میں کیسے فیصلے کرو گے؟ جواب دیا کتاب اللہ کے مطابق، اگر کتاب اللہ میں صراحت نہ ہو تو کیا کرو گے؟ عرض کیا، رسول اللہ کی سنت کے مطابق فیصلہ کروں گا، اگر سنت میں بھی صراحت نہ ہو تو کیا کرو گے؟ جواب دیا کہ اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا اور کوتاہی نہ کروں گا، اس پر رسول اللہؐ خوش ہوئے اور فرمایا اللہ کا شکر ہے کہ اُس نے رسولؐ کے فرستادہ کو رسولؐ کی پسندیدہ بات پر عمل کرنے کی توفیق دی۔

دوسری روایت میں ہے کہ رسول اللہؐ نے حضرت معاذؓ اور ابو موسیٰؓ اشعری دونوں کو یمن کے ایک ایک علاقہ کا حاکم بنا کر بھیجتے وقت فہمائش کی اور انھوں نے یہ جواب دیا:

اذا لم نجد الحکم فی السنة نقیس الامر بالامر فما کان اقرب الی الحق عملنا به فقال علیه السلام اصبتما۔[2]

جب ہم سنت میں حکم نہ پائیں گے تو ایک معاملہ کو دوسرے پر قیاس کریں گے اور جو حق سے زیادہ قریب ہوگا اس پر عمل کریں گے، اس پر رسول اللہؐ نے فرمایا کہ تم دونوں درستی کو پہنچے۔

صحابہ کا احتیاط اور مخالف قیاس حدیث کا محل

ان واضح ہدایات کے باوجود صحابۂ کرام رائے اور اجتہاد کے باب میں نہایت محتاط تھے حالات وزمانہ کی رعایت سے جس قدر اجتہاد کی ضرورت ہوتی یا رائے استعمال کرنے کی نوبت آتی تو مقاصدِ شریعت اور اصولِ دین سے سرِ مو تجاوز نہ فرماتے اور خلاف ورزی کی صورت میں آزادانہ رائے پر سخت نکیر کرتے تھے، کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آزادانہ رائے استعمال کرنے کی مذمت کی ہے، چنانچہ ایک حدیث میں ہے:۔

لم یزل امر بنی اسرائیل مستقیماً حتی کثرت فیهم اولاد السبایا فقاسوا

بنی اسرائیل کا معاملہ ٹھیک چلتا رہا جب تک ان میں لونڈی زادوں کی کثرت نہیں ہوئی، کثرت کے بعد اُن

---

[1] مشکوٰۃ باب العمل فی القضاء والخوف۔ [2] منہاج الاصول باب القیاس فی بیان انہ حجۃ۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مالم یکن بما قد کان — لوگوں نے نئے معاملات کو سابقہ معاملات پر قیاس کیا جس سے

فضلوا و اضلوا۔[1] — خود گمراہ ہوئے اور دوسروں کو گمراہ کیا۔

اولاد السبایا (لونڈی زادوں) سے مراد غیر تربیت یافتہ اور حقیقت ناشناس لوگ ہیں جن کی علمی حیثیت ناقص اور فکری صلاحیت خام ہوتی ہے پھر بھی اپنے کو غیر معمولی حیثیت و صلاحیت کا مالک سمجھنے لگتے ہیں۔

ایسے لوگ ہر قوم میں پائے جاتے ہیں، لیکن زوال زدہ قوموں میں ان کی بڑی کثرت ہوتی ہے۔ جب یہ لوگ اجتہاد کے مدعی بن کر اپنی رائے کو دخل دینے لگیں گے تو کس قدر ضلالت و گمراہی پھیلے گی؟

اظہار رائے میں صحابہؓ کا احتیاط

حدود و قیود کی نگہداشت کے باوجود صحابہ کرامؓ اظہار رائے میں بھی حد درجہ محتاط تھے چنانچہ حضرت ابوبکرؓ نے ایک مسئلہ کے بارے میں فرمایا:۔

اقول فیھا برأیی فان یکن صوابا فمن اللہ — اپنی رائے سے کہتا ہوں اگر صحیح ہے تو اللہ کی طرف سے ہے

وان یکن خطأ فمنی ومن الشیطان۔[2] — اور غلط ہے تو میری اور شیطان کی طرف سے سمجھو۔

حضرت عمرؓ نے ایک موقع پر فرمایا۔ "یہ عمرؓ کی رائے ہے صحیح ہے تو خدا کی جانب سے ہے غلط ہو تو عمرؓ کی جانب سے ہے۔"[3]

اسی طرح حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے ایک فتویٰ کے بارے میں کہا کہ:

"میں اپنی رائے سے فتویٰ دیتا ہوں اگر صحیح ہے تو اللہ کی جانب سے ہے اور غلط ہے تو میری اور شیطان کی جانب سے ہے اللہ اور اس کا رسول بری ہے۔"[4]

ایک مثال کے ذریعہ صحابہؓ کی حیثیت کی وضاحت

جس طرح طبیب حاذق کے فہیم شاگرد مدتوں اس کے پاس رہنے اور تجربہ کرنے کے بعد ان دواؤں کے خواص و اثرات سے واقفیت حاصل کر لیتے ہیں جنھیں طبیب استعمال کرتا رہتا ہے، اسی طرح صحابہ کرامؓ میں جو ذہین و فہیم تھے انھوں نے عرصہ تک نبوی تعلیم اور فیضِ صحبت سے احکام کے مقاصد اور ان کی حکمت سے واقفیت حاصل کر لی تھی۔

---

[1] دارمی و توضیح تلویح فی القیاس۔ [2] منہاج الاصول باب القیاس فی بیان انہ حجۃ۔

[3] تاریخ التشریع الاسلامی دوسرا دور فقہ عہد کبار صحابہ میں۔ [4] حوالۂ بالا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یہی وہ لوگ تھے جنھوں نے احکام کے موقع ومحل کو دیکھا تھا، شریعت کے طریقِ نفاذ کو سمجھا تھا، اور نبوت کے فیضان سے براہِ راست استفادہ کیا تھا، اس بناء پر نہ ان سے بڑھ کر کوئی مزاج شناسِ نبوت ہو سکتا ہے اور نہ ان کی رائے وعمل کے مقابلہ میں کسی کی رائے اور عمل کو ترجیح دی جا سکتی ہے۔ بلکہ مجموعی حیثیت سے ان کو معیار تسلیم کرنا منشاءِ نبوت کے مطابق ہے کیوں کہ نبوت اس بات پر مامور ہوتی ہے کہ وہ ایک ایسی جماعت تیار کر دے جو بعد میں ہر حیثیت سے تعلیمات کی محافظ بن کر اس کے مقاصد کی تکمیل کر سکے۔

ظاہر ہے کہ "نبی" بیک وقت جملہ انسانی ضروریات اور پیش آنے والے واقعات کی تعلیم تفصیلی طور پر نہیں دے سکتا ہے، البتہ اس کے فرمودات میں بہت سے اصول وکلیات ہوتے ہیں جن میں پیش آنے والے واقعات کی طرف رہنمائی موجود ہوتی ہے چوں کہ یہ جماعت اپنی زندگی میں نبیؐ کا عکس ہوتی ہے، اس بناء پر بعد میں فطری طور پر رہنمائی کے فرائض اسی جماعت کے سپرد ہوتے ہیں اور اسی کی رہنمائی قبولیت کے معیار پر ٹھیک اترتی ہے۔

صحابیتؓ توسیع عمارت پر مامور ہوتی ہے

جس طرح "نبوتؐ" اس بات پر مامور ہوتی ہے کہ وہ نقشۂ ہدایت کے مطابق زندگی کی عمارت تعمیر کرے اسی طرح "صحابیتؓ" اس بات پر مامور ہوتی ہے کہ وہ ان خدوخال کو نمایاں کرے جو نقشہ وعمارت میں حالات وزمانہ کی رعایت کے لئے موجود ہیں لیکن ان کے ظہور اور عملی شکل قبول کرنے کا وقت نبوت کے بعد ہے اس لحاظ سے اگر نبوتؐ کا اصل کام تعمیرِ عمارت ہے تو صحابیتؓ کا اصل کام توسیعِ عمارت ہے۔

اس توسیع میں اگر ایک طرف کچھ نئے احکام کے اضافہ کی ضرورت ہوتی ہے تو دوسری طرف بہت سے احکام کے موقع ومحل کی تعیین لازمی ہوتی ہے۔

عمارت کا جوہری حصہ اور ہدایت کا مرکزی نقطہ معاشرہ میں خیر وشر کی نسبت اور عدل واعتدال کی قوت ہے وہ اس توسیع میں بہر حال برقرار رہتی ہیں بلکہ صحابیتؓ اسی انداز سے توسیعی پروگرام چلانے پر مامور ہوتی ہے کہ ان پر کسی طرح زد نہ پڑنے پائے ورنہ پروگرام کے صحت کی کوئی ضمانت نہ باقی رہے گی۔

صحابہؓ میں کارِ نبوت چلانے کی صلاحیت

صحابۂ کرام میں توسیعِ عمارت کے ساتھ کارِ نبوت کو چلانے کی کس قدر صلاحیت تھی اس کا اندازہ درج ذیل تصریحات سے ہوتا ہے۔ قرآنِ حکیم میں ہے:۔

رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمْ وَرَضُوْا عَنْہُ

© rasailojaraid.com

اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے

© rasailojaraid.com

اس سے بڑھ کر ان کی برگزیدگی اور تقدس کی کوئی تاریخی دستاویز ہو سکتی ہے اور نہ حفاظت کی ضمانت مل سکتی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ما من نبی بعثہ اللہ فی امۃ قبلی الا کان لہ فی امۃ حواریون واصحاب یأخذون بسنۃ ویقتدون بامرہ [1]	اللہ نے جتنے نبی مجھ سے پہلے مبعوث فرمائے اُن سب کی امت میں اس کے مددگار اور اصحاب تھے جو نبی کی سنت حاصل کرتے اور اس کے حکم کی اقتداء کرتے تھے۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا:-

اولئک اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کانوا افضل ھذہ الامۃ ابرھا قلوبا اعمقھا علما واقلھا تکلفا اختارھم اللہ لصحبۃ نبیہ ولاقامۃ دینہ [2]	یہ لوگ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب ہیں جو دل کی نیکی علم کی گہرائی اور تکلف کی کمی میں اس امت کے افضل ترین لوگوں میں ہیں انہیں اللہ نے اپنے نبیؐ کی صحبت اور اپنے دین کو قائم کرنے کے لئے منتخب کیا ہے۔

انتظامی اور قانونی معاملات میں انہیں کس قدر فوقیت اور برتری حاصل تھی اس کا اندازہ ان وضاحتوں سے ہوتا ہے:-

ایک موقع پر حضرت عمرؓ نے فرمایا:

وافقت ربی فی ثلاث [3]	تین باتوں میں اپنے رب کی میں نے موافقت کی ہے۔

اور حضرت عائشہؓ صدیقہ نے فرمایا:

لو ادرک النبی صلی اللہ علیہ وسلم ما احدث النساء لمنعھن من المساجد کما منعت نساء بنی اسرائیل [4]	اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس حالت کو پاتے جو اب عورتوں نے پیدا کر رکھی ہے تو ان کو مسجدوں میں جانے سے منع کر دیتے جس طرح بنی اسرائیل کی عورتیں منع کر دی گئی تھیں۔

---

[1] مشکوٰۃ باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ۔ [2] مشکوٰۃ باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ فصل ثالث۔

[3] بخاری ج۲ کتاب التفسیر باب واتخذوا من مقام ابراہیم ص۶۴۲۔ [4] بخاری ج۱ باب خروج النساء الی المساجد۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

درجہ اور مرتبہ کے لحاظ سے فرق

درجہ اور مرتبہ کے لحاظ سے جس طرح تمام انسان یکساں نہیں ہوتے ہیں اسی طرح تمام صحابہؓ یکساں نہیں ہیں بلکہ مذکورہ حیثیت اور عہدہ کے مستحق وہی صحابۂ کرام ہیں جنھوں نے رسول اللہ صلعم کی صحبت میں اپنی عمر گذاری ہے اور فیضانِ نبوت سے خصوصی استفادہ کیا ہے۔

الذین افنوا اعمارھم فی الصحبة وتخلقوا باخلاقه الشریفة کالخلفاء والازواج المطھرات والعبادلة وانس وحذیفة ومن فی طبقتھم۔

جن صحابہؓ نے رسول اللہ کی صحبت میں اپنی عمریں گذاری ہیں اور آپ کے پاکیزہ اخلاق کو اپنی زندگی میں رچایا اور بسایا ہے جیسے خلفاء راشدینؓ ازواجِ مطہراتؓ عبادلہ رضؓ (عبداللہ بن رضؓ مسعود اور عبداللہ بن عمرؓ، عبداللہؓ بن زبیر عبداللہؓ بن عباس) حضرت انسؓ حضرت حذیفہ رضؓ اور جو ان کے طبقہ میں ہیں۔

قرآنِ حکیم نے "ورضوا عنہ" کے ذریعہ جن صحابۂ کرام کی قلبی ونفسی کیفیت ظاہر فرمائی ہے اسی طرح جن کو اپنا سب سے بڑا "تمغہ" رضی اللہ عنھم عطاء فرمایا ہے ان سے بھی خاص صحابہؓ مراد ہیں، چنانچہ قرآنِ حکیم میں ہے:۔

وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ۔ [۱]

اور مہاجرین وانصار میں جو لوگ سبقت کرنے والے سب سے پہلے ایمان لانے والے ہیں اور وہ لوگ جنھوں نے خلوص وراست بازی کے ساتھ ان کی پیروی کی وہ اللہ سے راضی ہوئے اور اللہ ان سے راضی ہوا۔

فقہاء کی نظر میں صحابہ کے اقوال کی اہمیت

قانون وتشریع میں ان صحابہ کے اقوال کو فقہاء نے نہایت اونچا درجہ دیا ہے وہ کہتے ہیں:

فانه جعل حجة لاحتمال السماع وزیادة الاصابة فی الرای ببرکة صحبة النبی صلی اللہ علیه وسلم۔ [۲]

صحابہؓ کے اقوالِ حجت ہیں ممکن ہے رسول اللہ صلعم سے سنا ہو، اور صحبت کی برکت سے ان کی اصابت رائے کی زیادتی میں تو کوئی شبہ نہیں ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دوسری جگہ ہے:۔

قول الصحابی فیما لا یمکن فیہ الرای یلحق بالسنۃ لغیرہ۔[1]

جس میں رائے کی گنجائش نہ ہو اس میں صحابیؓ کا قول غیر صحابیؓ کے لئے سنت کے حکم میں ہوگا۔

اور جس میں رائے کی گنجائش ہو تو بدلے ہوئے حالات کے مطابق اس میں قیاس کرنے کی اجازت ہے۔[1]

اسی طرح جو بات صحابہؓ میں شائع ہو اس کی اتباع ضروری ہے اور جس میں اختلاف ہو اس میں گنجائش ہے:۔

یجب اجماعاً فیما شاع فسکتوا مسلمین ولا یجب اجماعا فیما ثبت الخلاف بینھم۔[2]

جو بات صحابہ میں عام طور پر شائع ہو اس کی اتباع اجماع کی حیثیت سے واجب ہے اور جس میں اختلاف ثابت ہو اس میں وسعت ہے۔

نیز جس بات پر شیخین (ابوبکر صدیقؓ وعمر فاروقؓ) کا اتفاق ہو اس پر عمل کرنا واجب ہے۔

کل ما ثبت فیہ اتفاق الشیخین یجب الاقتداء بہ[3]

ہر وہ بات جس میں شیخین کا اتفاق ہو اس کی اقتداء واجب ہے۔

اگر کسی معاملہ میں عام ابتلاء کی حالت پائی جائے اور صحابہؓ کے اقوال اس کے خلاف ہیں تو ایسی حالت میں اُن پر عمل کرنا ضروری نہ ہوگا جس طرح سنت پر عمل ایسی حالت میں ضروری نہیں ہوتا ہے۔

لا یقبل فیہ السنۃ فلا یقبل ھو ما یقبل بشبھۃ بہ

ایسی حالت میں سنت نہ قبول کی جائے گی لہٰذا جو چیز سنت کی مشابہت کی وجہ سے قبول کی گئی ہے وہ بھی مقبول نہ ہوگی۔

(باقی)

[1] توضیح تلویح ج ۲۔ فصل فی تقلید الصحابی و نور الانوار فی التعارض بین الحجج۔ [2] توضیح تلویح حوالہ بالا۔ [3] حوالہ بالا۔

سیرۃ النعمانؒ

امام الائمہؒ کے سوانح حیات اور ان کے اجتہادی مسائل پر علامہ شبلی مرحومؒ کی اہم ترین کتاب جو عرصہ سے نایاب تھی صحیح ترین اور کامل ترین لاہور ایڈیشن سے منقول ۔ صفحات ۲۲۴ ۔ قیمت ۳/۵۰

مکتبۂ بُرہان ـــــ اُردو بازار، جامع مسجد، دہلی

© rasailojaraid.com